عدالتِ صحابہؓ

(۴)

(ملک غلام علی صاحب)

قتل حجرؓ اور دیت و توریث | مدیر "البلاغ" کے بقول "خلافت و ملوکیت" میں حضرت معاویہؓ کے خلاف جو "چارج شیٹ" مرتب کی گئی ہے، ان میں سے تخویف و تہدید کے استعمال کا ثبوت صحیح البخاری سے گزشتہ ترجمان میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس الزام کے علاوہ مولانا محمد تقی عثمانی کے خیال میں جو جرائم مولانا مودودی نے امیر معاویہؓ کے سر جیبک دیئے ہیں وہ یہ ہیں کہ امیر معاویہؓ نے حُجر بن عدیؓ جیسے زاہد و عابد صحابی کو محض حق گوئی کی وجہ سے قتل کیا، مسلمان کو کافر کا وارث قرار دینے کی بدعت جاری کی، اور دیت کے احکام میں تبدیلی کر کے آدھی دیت خود لینی شروع کر دی۔ میری گزارش یہ ہے کہ حضرت حُجرؓ بن عدی کے قتل سے انکار تو عثمانی صاحب کو بھی نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ قتل کی وجہ کیا تھی اور قتل جائز تھا یا نہیں، تو اس پر جو کچھ میں نے لکھا ہے، اس کا کوئی جواب اب تک عثمانی صاحب یا کسی دوسرے صاحب نے نہیں دیا مگر حضرت حُجرؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ تک لکھنا انہیں گوارا نہیں ہے۔ فرض کیا کہ حضرت حجرؓ کی صحابیت ان حضرات کے نزدیک مختلف فیہ ہے، تب بھی ان کے نام پر رضؓ کی علامت بنا دینے سے کسی کی جیب میں سے کچھ نہیں جاتا۔ آخر کثیرؓ بن شہاب، جن کی گواہی زیاد نے حضرت حجرؓ کے خلاف درج کی تھی اور جو حضرت حجرؓ کو ہتھکڑیاں پہنا کر لے گئے تھے، ان کے ساتھ تو "البلاغ" میں ہر جگہ رضؓ لکھا گیا ہے حالانکہ ان کی صحابیت میں بھی بہت اختلاف ہے۔ خود میں نے بھی انہیں رضی اللہ عنہ ہی لکھا ہے اور اس میں تامل محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح کوئی اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ امیر معاویہؓ نے توریث مسلم من الکافر کا نیا قاعدہ جاری کیا اور غیر مسلم کی دیت کا آدھا حصہ وارثوں کو دینے کے بجائے خود لیا دیا

بیت المال میں لیا)۔ اس چیز کو اُمت کے کسی مسلک میں قبول نہیں کیا گیا ہے، حتیٰ کہ ان کے اپنے خاندان کے ایک فرد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اسے تبدیل کرنا ضروری سمجھا۔ اس طریقے کا خلاف کتاب و سنت ہونا میں پوری طرح واضح کر چکا ہوں۔ اس پر بدعت کا اطلاق بھی علمائے امت کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک حوالہ میں یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔ مشہور حنفی فقیہ امام ابوبکر جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں جہاں احکام وراثت پر بحث کی ہے، وہاں وہ ایک باب من یحرم المیراث مع وجود النسب کے تحت فرماتے ہیں:

قال مسروق ما احدث فی الاسلام قضیۃ اعجب من قضیۃ قضاھا معاویۃ کان یورث المسلم من الیھودی والنصرانی (مسروقؒ تابعی نے فرمایا کہ اسلام میں اس سے زیادہ عجیب فیصلے کی جدت طرازی نہیں کی گئی جیسی کہ معاویہؓ نے کی تھی کہ آپ مسلمان کو یہودی اور نصرانی کا وارث قرار دیتے تھے)۔

اس کے بعد جصاص حضرت مسروق ہی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آخر کار حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اسے بدل دیا۔ امیر معاویہؓ نے زیاد کے ذریعے سے قاضی شریحؒ کو اپنے فیصلے کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ شُریح اس پر عمل تو کر دیتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیتے تھے کہ یہ امیر المومنین کا فیصلہ ہے لیکن زہری، علی بن حسین سے، وہ عمروؓ بن عثمان سے اور وہ اُسامہؓ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یتوارث اھل ملتین ولا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم۔ اس کے بعد الجصاص امیر معاویہؓ کے فیصلے کا شدت سے مفصل رد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ محض تاویلات اور مشکوک احتمالات کے بل پر نصِ قطعی کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ پوری بحث کے آخر میں جصاص پھر فرماتے ہیں:

واما قول مسروق ما احدث فی الاسلام قضیۃ اعجب من قضیۃ قضی بھا معاویۃ فانہ یدل علی بطلان ھذا المذھب لاخبارہ انھا قضیۃ محدثۃ فی الاسلام وذالک یوجب ان یکون قبل قضیۃ معاویۃ لم یکن یورث المسلم من الکافر واذا ثبت ان من قبل قضیۃ معاویۃ لم یکن یورث المسلم من الکافر وان معاویۃ لا یجوز

ان یکون خلافا علیھم بل ھو ساقط القول معھم۔

"اور حضرت مسروق نے یہ جو فرمایا کہ اسلام میں حضرت معاویہؓ کے فیصلے سے زیادہ نرالا فیصلہ نہیں کیا گیا، تو مسروق کا یہ قول اس فیصلے کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ فیصلہ اسلام میں ایک نئی بدعت ہے اور ان کے اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے اس فیصلے سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ امیر معاویہؓ کے فیصلے سے پہلے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تھا اور حضرت معاویہؓ کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنے پیش رووں کی مخالفت کریں، بلکہ اُن کے قول کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ کا قول ساقط ہے" (احکام القرآن، الجصاص، الجزء الثانی، ص ۱۳۳۔ المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۴۷ھ)۔

اس بحث کو پڑھ کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس میں حضرت مسروقؒ اور ابوبکر جصاصؒ بار بار امیر معاویہؓ کے فیصلے کو قضیۃ مُحدَثۃ کہہ رہے ہیں اور اسی کا دوسرا نام بدعت ہے بلکہ بدعت کے مقابلے میں احداث اور مُحدَث کے الفاظ سخت تر ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من احدث فی امرنا فھو رد (جس نے دین میں احداث کیا، وہ قابلِ ردّ ہے)، نیز فرمایا کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (ہر امرِ محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

سبِّ علیؓ کا مزید ثبوت ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ کے ترجمان القرآن میں احادیث صحیحہ اور محدثین و مورخین کے مستند اقوال سے میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ امیر معاویہؓ اور ان کے گورنر حضرت علیؓ اور اہلِ بیت پر سبّ و شتم کرتے تھے۔ لیکن چار ماہ بعد میری کسی بات کو غلط ثابت کیے بغیر رجب ۱۳۸۹ھ کے البلاغ میں پھر وہی بات دہرا دی گئی کہ مولانا مودودی نے جو الزامات امیر معاویہؓ کے سر تھوپے ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ پر خود سرِ منبر سبّ و شتم کرنے کی بدعت جاری کی۔ اس بحث میں عثمانی صاحب نے ابن حجرؒ مکی کا یہ قول بھی تطہیر الجنان سے نقل کیا ہے کہ:

"صحابہ کرام کے درمیان جو واقعات ہوئے کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انہیں ذکر

کر کے ان کے نقص پر استدلال کرے۔ یہ کام صرف اہلِ بدعت کا ہے اور بعض ان جاہل ناقلوں کا جوہر اُس چیز کو نقل کر دیتے ہیں جو انہوں نے کہیں دیکھ لی ہو اور اس سے اس کا ظاہری مفہوم ہی مراد لیتے ہیں، نہ اس روایت کی سند پر طعن کرتے ہیں، نہ اس کی تاویل کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یہ بات سخت حرام و ناجائز ہے کیونکہ اس سے فسادِ عظیم رونما ہوتا ہے اور یہ عام لوگوں کو صحابہؓ کے خلاف اکسانے کے مترادف ہے، حالانکہ ہم تک دین کے پہنچنے کا واسطہ یہی صحابہؓ ہیں جنہوں نے قرآن و سنّت کو ہم تک نقل کیا ہے"۔

اب ملاحظہ ہو کہ یہی ابن حجرؒ اپنی اسی کتاب "تطہیر الجنان واللسان عن الخطور والتفوہ بثلب سیدنا معاویہ بن ابی سفیان میں صفحہ ۴۴ پر اسی سب و شتم کے مسئلے میں کیا فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

لما وقع من الاختلاف والخروج علیہ نشر من سمع من الصحابۃ تلک الفضائل وبثھا نصحاً للامۃ ایضاً ثم لما اشتد الخطب واشتغلت طائفۃ من بنی امیۃ بتنقیصہ وسبہ علی المنابر ووافقھم الخوارج لعنھم اللہ بل قالوا بکفرہ اشتغلت جھابذۃ الحفاظ من اھل السنۃ ببث فضائلہ حتی کثرت للامۃ ونصرۃ للحق[1]

(جب اختلاف رونما ہوا اور حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا گیا تو حضرت علیؓ کے فضائل جن صحابۂ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے تھے، انہوں نے امّت کی خیر خواہی کے لیے ان فضائل کی نشر و اشاعت شروع کی۔ پھر جب حضرت علیؓ کی مخالفت میں مہم زور پکڑ گئی اور بنو امیہ کے ایک گروہ نے منبروں پر اُن کی تنقیص اور سب و شتم کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور خوارج نے بھی (اللہ ان پر لعنت کرے) ان مخالفین کا ساتھ دیا بلکہ حضرت علیؓ کی تکفیر تک کر ڈالی، تو اہلِ سنت کے بڑے بڑے ناقدینِ حدیث، جنہیں احادیث نبوی حفظ تھیں، انہوں نے

[1] تقریباً یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری، کتاب المناقب میں فرمائی ہے جو میں سبِّ علی کی بحثِ سابق میں نقل کر چکا ہوں۔

حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں مروی حدیثوں کو پھیلایا یہاں تک کہ امت میں ان کی کثیر تعداد کا چرچا ہو گیا اور نصرتِ حق کا تقاضا پورا ہو گیا)۔

اب مولانا محمد تقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ الزام زبردستی گھڑ کر امیر معاویہؓ اور آپ کے گورنروں کے خلاف عائد کر دیا گیا ہے کہ وہ منبروں پر چڑھ کر حضرت علیؓ پر سب و شتم کرتے تھے، حالانکہ ابن حجر مکی جن کا قول عثمانی صاحب نے نقل کیا ہے، وہ خود اپنی اسی کتاب میں یہ بات ایک مسلّمہ و مصدّقہ واقعہ کے طور پہ بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں بنو امیہ اور خوارج ایک دوسرے کی ہمنوائی میں حضرت علیؓ کی تنقیص اور ان پر سب و شتم میں مشغول رہتے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پبلک پلیٹ فارم اور منبر امیر معاویہؓ اور آپ کے گورنروں ہی کے زیر تصرف تھے اور جس اختلاف، خروج اور حضرت علیؓ کے خلاف شور و شغب اور ہنگامے کا یہاں ذکر ہے یہ حضرت علیؓ کے حینِ حیات اور آپ کی خلافت کے دوران ہی میں برپا کیا گیا تھا۔

خلافت و ملوکیت میں سب و شتم کے ثبوت میں جو روایات درج ہیں، ان میں سے ایک مروان کے متعلق ہے کہ وہ ہر جمعے کو حضرت علیؓ پر لعن طعن کرتا تھا۔ "البلاغ" میں اس کی تردید پر بھی بڑا زور صرف کیا گیا ہے اور ایک ایک راوی کی خوب کھال ادھیڑی گئی ہے۔ اگرچہ میں اس کا مفصّل جواب پہلے دے چکا ہوں، تاہم میں انہی ابن حجرؒ کی اسی کتاب تطہیر الجنان کی ایک روایت مزید نقل کرتا ہوں جو مروان ہی کے متعلق ہے۔ فرماتے ہیں:

فی روایۃ للبزار لقد لعن اللّٰہ الحکمَ وما ولد علی لسان نبیّہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبسندٍ رجالہ ثقاۃ ان مروان لما ولی المدینۃ کان یسب علیاً علی المنبر کل جمعۃ، ثم ولی بعدہ سعید بن العاص فکان لا یسب، ثم اعید مروان فعاد للسب وکان الحسن یعلم ذالک فسکت ولا یدخل الا عند الاقامۃ۔ فلم یرض بذالک مروان حتی ارسل للحسن فی بیتہ بالسب البلیغ لابیہ ولہ ومنہ "ما وجدت مثلک الا مثل البغلۃ یقال لھا من ابوک فتقول اُمّی الفرس" فقال للرسول ارجع الیہ فقل لہ واللّٰہ لا امحو عنک شیئاً مما قلت بانی اسبک، ولکن موعدی وموعدک

اللہ فان کنت کاذباً فاللہ اشد نقمۃ ۔ فقد اکرم جدی ان یکون مثلی مثل البغلۃ۔ فخرج الرسول فلقی الحسین فاخبرہ بذالک السب۔ بعد مزید تمنع وتھدید من الحسین ان لم یخبرہ، فقال بل وتیامل بابیک وقومک وایۃ ما بینی، حینک ن تمسک منکبیک من لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۔ ۔ ۔ وبسند حسن ان مروان قال لعبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما انت الذی نزل فیہ وَ الَّذِیۡ قَالَ لِوَالِدَیۡہِ اُفٍّ لَّکُمَاۤ ۔ ۔ ۔ فقال لہ عبد الرحمٰن کذبت ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباک ۔

(بزار کی روایت میں ہے کہ اللہ نے حکم (والدِ مروان) اور اس کی اولاد پر لعنت کی لسانِ نبوی کے ذریعے سے۔ اور ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ جب مروان کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا تو وہ منبر پر ہر جمعے میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد حضرت سعید بن عاص گورنر بنے تو وہ سبِ علیؓ کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ پھر مروان کو دوبارہ گورنر بنایا گیا تو اس نے پھر سب و شتم شروع کر دی۔ حضرت حسنؓ کو اس کا علم تھا مگر آپ خاموش رہتے اور مسجد نبوی میں عین اقامت کے وقت داخل ہوتے تا کہ اپنے والد ماجد کی بدگوئی نہ سن سکیں)۔ مگر مروان اس پر بھی راضی نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے حضرت حسنؓ کے گھر میں ایلچی کے ذریعے ان کو اور حضرت علیؓ کو گالیاں دلوا بھیجیں۔ ان ہفوات میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ "تیری مثال میرے نزدیک خچر کی سی ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے، تو وہ کہے کہ میری ماں گھوڑی ہے۔" حضرت حسنؓ نے سن کر قاصد سے کہا کہ تو اس کے پاس جا اور اس سے کہدے کہ "خدا کی قسم میں تجھے گالی دے کر تیرا گناہ ہلکا نہیں کرنا چاہتا۔ میری اور تیری ملاقات اللہ کے ہاں ہو گی۔ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ اللہ نے میرے نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو شرف بخشا ہے وہ اس سے بلند و برتر ہے کہ میری مثال خچر کی سی ہو۔" ایلچی نکلا تو حسینؓ سے اس کی ملاقات ہو گئی

اور انہیں بھی اس نے گالیوں کے متعلق بتایا۔ حضرت حسینؓ نے اُسے پہلے تو دھمکی دی کہ خبردار جو تم نے میری بات بھی مروان تک نہ پہنچائی اور پھر فرمایا کہ "اے مروان تو ذرا اپنے باپ اور اس کی قوم کی حیثیت پر بھی غور کر۔ منبرِ امجد سے کیا سروکار، تو اپنے کندھوں پر اپنی اس اولاد کو اٹھاتا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے"۔ . . . اور عمدہ سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ مروان نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تو وہ ہے جس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اُتری "جس نے کہا اپنے والدین سے کہ تم پر اُف ہے" . . . . عبدالرحمٰن کہنے لگے "تو نے جھوٹ کہا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے والد پر لعنت کی تھی"۔

مروان کی بدزبانی کا یہ پورا واقعہ علاوہ دیگر مورخین کے امام جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاءُ میں بھی نقل کیا ہے اور متعدد دوسرے علماء نے اس کو بیان کیا ہے۔ میں نے قصداً اُسے پہلے نظر انداز کیا تھا مگر مدیرِ "البلاغ" کے غلط موقف پر اصرار کو دیکھ کر مجبوراً اب مجھے بھی نقل کرنا پڑا۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں حضرت علیؓ و اہلِ بیتِ نبیؐ پر سب و شتم کا آغاز ایک مانی ہوئی تاریخی حقیقت ہے اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ مروان نے اس کام میں نہایت نمایاں حصّہ لیا ہے۔ متعدد مؤرخین نے اس بات کی صراحت بھی کی ہے کہ حضرت سعیدؓ بن العاص جو مدینے کے گورنر تھے، انہیں معزول کر کے مروان کو یہ عہدہ اس لیے دیا گیا تھا کہ حضرت سعید سبّ و شتم میں حصّہ لینے پر رضامند نہ تھے۔ ابن کثیر، البدایہ ج ۸ ص ۸۴ پر حضرت سعیدؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

ولاہ المدینۃ مرتین وعزلہا مرتین بمروان بن الحکم وکان سعید ھذا لا یسبُّ علیاً ومروان یسبّہ۔

(امیر معاویہؓ نے انہیں دو مرتبہ مدینے کا والی بنایا اور دونوں مرتبہ مروان کے بدلے میں انہیں معزول کر دیا۔ یہ سعیدؓ بن العاص حضرت علیؓ پر سبّ و شتم نہیں کرتے تھے اور مروان سبِّ علیؓ کا ارتکاب کرتا تھا)۔

یہ قول جہاں مروان کی بدگوئی واضح کرتا ہے، وہیں اس بات کو بھی ثابت کرتا ہے کہ جو گورنر سب و شتم نہیں کرتا تھا اس کی گورنری چھین کر ایسے شخص کے سپرد کردی جاتی تھی جو اس فعل کو سرانجام دیتا تھا۔ پھر حضرت سعیدؓ کے بارے میں منفی طور پر یہ کہنا کہ کان لایسبّ علیاً، صاف طور پر یہ بھی بتا رہا ہے کہ سبّ علیؓ کا طریقہ عام تھا، ورنہ حضرت سعیدؓ جن کا علم، تقویٰ، تدیّن اور جن کے مجاہدانہ کارنامے معروف و مشہور ہیں اور جنہوں نے بنو امیہ کے ممتاز فرد اور حضرت عثمانؓ کے ربیب ہونے کے باوجود جنگِ جمل و صفّین سے بالکل کنارہ کشی کی، ان کے بارے میں آخر یہ صراحت کیوں ضروری سمجھی گئی کہ وہ حضرت علیؓ پر سب و شتم نہیں کرتے تھے؟

ابن تیمیہؒ کے اقوال مدیر "البلاغ" نے علامہ ابنِ تیمیہؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "جن روایات سے صحابۂ کرام کی برائیاں معلوم ہوتی ہیں، ان میں سے کچھ تو جھوٹ ہی جھوٹ ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان میں کمی بیشی کردی گئی ہے اور ان کا اصلی مفہوم بدل دیا گیا ہے۔" اس کے بعد عثمانی صاحب پوچھتے ہیں کہ جن تاریخی روایات کی بنیاد پر مولانا مودودی آج حضرت معاویہؓ کو "حقیقی غلطی" کا مجرم قرار دے رہے ہیں کیا ابنِ تیمیہؒ اور دوسرے علماء ان تاریخی روایتوں سے بے خبر تھے یا اتنے کم فہم تھے کہ وہ اجتہادی غلطی اور حقیقی غلطی میں تمیز نہیں کرسکتے تھے؟ میں اس کے جواب میں امام ابن تیمیہؒ ہی کے چند اقوال پیش کرتا ہوں۔ منہاج السنہ جلد ثانی صفحہ ۲۱۹ پر آپ حضرت معاویہؓ کے متعلق فرماتے ہیں:

کان من احسن الناس سیرۃً فی ولایتہ وھو ممن حسن اسلامہ ولولا محاربتہ لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتولیتہ الملک لم یذکرہ احد الا بخیر کما لم یذکر امثالہ الا بخیر۔

(امیر معاویہؓ اپنی حکومت میں اپنے طرزِ عمل کے اعتبار سے بہترین لوگوں میں سے تھے اور مخلص مسلمان تھے اور اگر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربت نہ کرتے اور اپنے اقتدار میں ملوکیت کا طریقہ اختیار نہ کرتے تو کوئی شخص بھی ان کا ذکر اچھائی کے بغیر نہ کرتا جس طرح کہ آپ جیسے دوسرے صحابہ کرام کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے)۔

پھر اسی کتاب کے جزء ثالث ص ۱۶۹ پر مصنف فرماتے ہیں:

وابوسفیان کان فیه بقایا من جاهلیة العرب یکره ان یتولی علی الناس رجل من غیر قبیلته۔ (اور ابوسفیان میں جاہلیتِ عرب کے بقایا موجود تھے جن کی بنا پر وہ اپنے قبیلے کے سوا کسی دوسرے شخص کا امیر بننا ناپسند کرتے تھے)۔

آگے چوتھی جلد کے ص ۱۶۱ پر ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ولم یتهم احد من الصحابة والتابعین معاویة بنفاق واختلفوا فی ابیه

(منہاج السنة النبویة فی نقض الشیعة، مطبعہ امیریہ، مصر، ۱۹۲۱ء)

(صحابہ کرام و تابعین میں سے کسی نے بھی امیر معاویہؓ پر نفاق کی تہمت نہیں لگائی لیکن ابوسفیانؓ کے معاملے میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے)۔

اب ظاہر ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے جو رائے امیر معاویہؓ یا ان کے والد ماجد کے متعلق ظاہر کی ہے، وہ ایسی روایات پر تو مبنی نہ ہوگی جو جھوٹ ہی جھوٹ ہوں اور نہ ابن تیمیہؒ بقول عثمانی صاحب اتنے کم فہم ہو سکتے تھے کہ وہ اجتہادی غلطی کے لیے ذکرِ خیر کے فقدان، جاہلیت اور ملوکیت وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے۔

ہر بدعت وفسق منافیٔ عدالت نہیں "البلاغ" میں چونکہ یہ سوال خاص طور پر اٹھایا گیا ہے کہ کسی صحابی یا کسی راوی کی جانب بدعت کے انتساب کے بعد اس کی بیان کردہ حدیث کیسے قابلِ قبول ہو سکتی ہے، اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے پر بھی مختصر بحث کر دوں کہ راویٔ حدیث کے کسی قول و فعل پر بدعت کا اطلاق اس کی مرویات میں کس حد تک قادح ہو سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بالعموم سنت کے بالمقابل بدعت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور جن فرقوں یا گروہوں کا مسلک بنیادی طور پر اہلِ سنت سے مختلف ہے، ان کو اہلِ بدعت و ہویٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دورِ سعادت کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کے ہاں اس پر اکثر بحثیں ہوتی رہی ہیں کہ اہلِ سنت کے ماسوا دوسرے گروہوں کے افراد سے اخذِ حدیث جائز ہے یا نہیں۔ ان بحثوں کے مطالعے سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جمہور محدثین اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ اہلِ بدعت کی روایت کردہ احادیث کو مطلقاً رد کر دیا جائے اور ان کے کسی شخص

کی کسی حدیث کو نہ لیا جائے۔ امام ذہبیؒ نے رجالِ حدیث کی جرح و تعدیل پر اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں جابجا اصولی بحث کی ہے۔ ابان بن تغلب جو اہلِ تشیع میں سے تھے اور جن کی روایات صحیح مسلم میں موجود ہیں، ان کے حالات بیان کرتے ہوئے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

فان قیل کیف ساغ توثیق مبتدع وحد الثقة العدالة والاتقان، فکیف یکون عدلًا وھو صاحب بدعة؟ فجوابه ان البدعة علی ضربین فبدعة صغری کغلو التشیع او التشیع بلا غلو ولا تحرق فھذا کثیر فی التابعین و تابعیھم مع الدین والورع والصدق فلو ذھب حدیث ھؤلاء لذھب جملة من الآثار النبویة وھذہ مفسدة بیّنة ثم بدعة کبری کالرفض الکامل والغلو فیه والحط علی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما والدعاء الی ذالك فھذا النوع لا یحتج بھم۔ (اگر یہ کہا جائے کہ ایک مبتدع کی توثیق کیسے جائز ہو گی حالانکہ عدالت و اتقان کی شرطِ ثقاہت کے لیے لازم ہے، پھر ایک راوی جو صاحبِ بدعت ہے، وہ عادل کیسے ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک تو بدعتِ صغریٰ ہے مثلاً تشیع میں غلو کرنا یا غالی اور کٹر شیعی نہ ہونا تو یہ چیز تابعین اور تبع تابعین کی کثیر تعداد میں تھی باوجود اس کے کہ ان میں دین، تقویٰ اور سچائی بھی موجود تھی۔ پس اگر ان کی روایت کردہ احادیث ترک کر دی جائیں تو احادیثِ نبویہ کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اور یہ ایک واضح مفسدہ ہو گا۔ دوسری بدعتِ کبریٰ ہے جس کی مثال کامل رفض اور اس میں غلو ہے جس کے حامل حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تنقیص کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کی روایات قابلِ حجت نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت حضرات ایسے تھے جن میں اس حد تک تشیع موجود تھا جس پر بدعتِ صغریٰ کا اطلاق کیا گیا ہے، اس کے باوجود چونکہ وہ صادق القول تھے اور شیخین کی توہین نہیں کرتے تھے، اس لیے ان کی حدیث کو ترک نہیں کیا گیا، نہ ان کی عدالت و ثقاہت میں شک

کیا گیا۔ بلکہ محدثین کا ارشاد یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کی روایت کردہ احادیث قبول نہ کی جائیں تو حدیث کا بڑا ذخیرہ ایسا ہوگا جس سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور یہ بہت بڑی قباحت ہوگی۔

حافظ ابنِ حجرؒ عسقلانی نے اپنی تصنیف نزہتہ النظر شرح نخبتہ الفکر میں جہاں راوی کے اسبابِ طعن پر بحث کی ہے، وہاں بدعت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

البدعة اما ان تکون بمکفّرٍ کان یعتقد ما یستلزم الکفر او بمفسّقٍ .....

.... والتحقیق انه لا یردّ کل مکفّر ببدعة لان کل طائفة تدّعی ان مخالفیها مبتدعة وقد تبالغ فتکفر مخالفیها فلو اخذ ذالك علی الاطلاق لاستلزم تکفیر جمیع الطوائف۔ فالمعتمد ان الذی ترد روایته من انکر متواترا من الشرع معلوماً من الدین بالضرورة۔

(بدعت کی ایک قسم کا اطلاق ایسے قول وفعل پر ہوتا ہے جس کا مرتکب یا معتقد کفر کی حد تک جا پہنچتا ہے یا پھر فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں تحقیقی موقف یہ ہے کہ ہر صاحبِ بدعت کی روایت کو رد نہیں کیا جائے گا گو کہ اس کی تکفیر ہی کی جا رہی ہو، کیونکہ ہر گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے مخالفین مبتدع ہیں اور ہر گروہ مبالغے سے کام لے کر اپنے مخالفین کی تکفیر کر ڈالتا ہے، تو اگر ہر ایک کا قول علی الاطلاق مانا جائے تو ہر گروہ کی تکفیر لازم آئے گی۔ پس جو قول قابلِ اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ روایت صرف اس کی رد کی جائے گی جو کسی ایسے امرِ شرعی کا منکر ہو جو تواتر سے ثابت ہو یا ضروریاتِ دین میں سے اس کا ہونا معلوم ہو)۔

حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی راوی کو اس کے مخالفین خواہ بدعت، فسق، حتیٰ کہ کفر کا مرتکب کیوں نہ قرار دے دیں جب تک وہ متواترات وضروریاتِ دین میں سے کسی امر کا انکار نہ کرے، اس کی حدیث کو علی الاطلاق رد نہیں کیا جا سکتا۔

اہلِ بدعت سے روایت | اہلِ بدعت کا اطلاق شیعوں کے علاوہ نواصب وخوارج اور قدریہ وغیرہ پر

بھی کیا جاتا ہے۔ اب ناصبیوں کا حال یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ اور اہل بیت کے خلاف ایک میل اور عناد اپنے دل میں رکھتے ہیں اور خوارج کا مسلک یہ تھا کہ وہ ہر مرتکب کبیرہ کو کافر و مرتد قرار دے کر اس کی جان و مال کو بالکل حلال سمجھتے تھے۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ اور بہت سے صحابۂ کرام تک کی تکفیر کرتے تھے، بلکہ بعض صحابہؓ ان ظالموں کے ہاتھوں محض اس بنا پر شہید ہوئے کہ وہ ان کے گمراہانہ عقائد و اعمال میں ان کی ہمنوائی پر تیار نہ تھے۔ اس کے باوجود ان گروہوں سے حدیث اخذ کی گئی ہے بلکہ خوارج کی مرویات کو تو اس لیے قابلِ اعتماد سمجھا گیا کہ جب وہ جھوٹ بولنے کو موجبِ تکفیر سمجھتے ہیں اور جھوٹے کو واجب القتل سمجھتے ہیں تو وہ جھوٹی حدیث گھڑنے یا بیان کرنے کی جرأت کیسے کریں گے؟ امام ابوداؤد کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ لیس فی اھل الاھواءِ اصحّ حدیثا من الخوارج (اہلِ بدعت و ہوا میں خوارج سے بڑھ کر کوئی دوسرا گروہ صحیح الحدیث نہیں ہے)۔ الکفایہ میں اس موضوع پر ایک مستقل باب موجود ہے، جس کا عنوان ہے: ما جاء فی اخذ عن اھل البدع والاھواء والاحتجاج بروایاتھم (اہل بدعت و اہواء کی مرویات کو قبول کرنے اور انہیں حجت ماننے کے بارے میں)۔ اس باب میں امام شافعی کا قول منقول ہے:

وتقبل شھادۃ اھل الاھواء الا الخطابیۃ من الرافضۃ لانھم یرون الشھادۃ بالزور لموافقیھم (اور اہل بدعت کی شہادت قبول کی جائے گی سوائے خطابیہ کے جو روافض کی ایک شاخ ہیں، کیونکہ یہ لوگ اپنے ہمنواؤں کے حق میں جھوٹی گواہی کے قائل ہیں)۔[1]

ابن ابی لیلیٰ، سفیانؒ ثوری اور قاضی ابویوسفؒ کا مسلک بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ اس مسئلے پر مفصل بحث کے بعد الخطیب نے آخر میں اپنی رائے درج کی ہے جو درجِ ذیل ہے:

والذی یعتمد علیہ فی تجویز الاحتجاج باخبارھم اشتھر من قبول الصحابۃ اخبار الخوارج وشھاداتھم ومن جری مجراھم من الفساق بالتاویل۔ ثم استمرار عمل التابعین والخالفین بعدھم علی ذلک لما رأوا من تحرّیھم الصدق وتعظیمھم

[1] امام شافعیؒ کا یہ قول امام نوویؒ نے شرح مسلم کے دیباچے میں بھی نقل کیا ہے۔

الكذب وحفظهم انفسهم عن المحظورات من الافعال وانكارهم على اهل الريب والطرائق المذمومة ورواياتهم الاحاديث التي تخالف آراءهم وتتعلق بها مخالفوهم في الاحتجاج عليهم۔ فاحتجوا برواية عمران بن حطان وهو من الخوارج وعمرو بن دينار وكان ممن يذهب الى القدر والتشيع وكان عكرمة اباضياً و ابن ابي نجيح وكان معتزليا وعبد الوارث بن سعيد وشبل بن عباد وسيف بن سليمان وهشام الدستوائي وسعيد بن ابي عروبة وسلام بن مسكين وكانوا قدرية۔ وعلقمة بن مرثد وعمرو بن مرة ومسعر بن كدام وكانوا مرجئة و عبيد الله بن موسیٰ وخالد بن مخلد وعبد الرزاق ابن همام وكانوا يذهبون الى التشيع في خلق كثير يتسع ذكرهم۔ دوّن اهل العلم قديماً وحديثاً رواياتهم واحتجوا باخبارهم فصار ذالك كالاجماع منهم وهو اكبر الحجج في هذا الباب و به يقوى الظن في مقاربة الصواب۔

"اہلِ بدعت وصوفی کی مرویات کے قابلِ حجت ہونے کے معاملے میں قابلِ اعتماد مسلک یہی ہے کہ خود صحابہ کرام نے خوارج کی روایات وشہادات کو قبول کیا ہے اور ان لوگوں کی احادیث کو بھی لیا ہے جنہوں نے کسی تاویل کی بنا پر ارتکابِ فسق کیا ہے۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا استمراری عمل بھی یہی رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام و تابعین نے دیکھا کہ یہ خوارج اور اہلِ فسق روایتِ حدیث میں اتباعِ صدق کرتے تھے، کذب بیانی کو بڑا گناہ سمجھتے تھے، ممنوعات سے بچتے تھے، عاداتِ مذمومہ اور اہلِ ریب کو برا سمجھتے تھے اور ایسی احادیث بھی بیان کر دیتے تھے جو ان کی آراء کے خلاف پڑتی تھیں اور جن کی بنا پر ان کے مخالفین ان پر حجت قائم کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے عمران بن حطّان سے حدیث لی ہے حالانکہ وہ خارجی تھا، عمرو بن دینار سے بھی لی ہے حالانکہ وہ قدریہ اور اہلِ تشیّع کی طرف مائل تھا۔ اسی طرح عکرمہ اباضیہ[1] میں سے تھا اور ابن ابی نجیح

[1] یہ خوارج کے ایک اعتدال پسند گروہ کا نام ہے۔

معتزلی تھا۔ عبدالوارث بن سعید، شبل بن عباد، سیف بن سلیمان، ہشام دستوائی، سعید بن ابی عروبہ، سلام بن مسکین سب قدریہ میں سے تھے اور ان کی احادیث قبول کی گئی ہیں علقمہ بن مرثد اور عمرو بن مُرّہ، مسعر بن کدام مرجئہ تھے، عبیداللہ بن موسیٰ، خالد بن مخلد، عبدالرزاق بن ھمام اہلِ تشیّعؒ میں سے تھے۔ اسی طرح کے اور بہت سے لوگ تھے جن کا ذکر باعثِ طوالت ہے۔ اہلِ علم نے ہر زمانے میں ان لوگوں کی روایات کو مدوّن کیا ہے اور ان سے حجت و استدلال کیا ہے اور اس پر ایک طرح کا اجماع ہوگیا ہے جو اس مسئلے میں سب سے بڑی دلیل ہے اور اس مسلک کے اقرب الی الصواب ہونے کو تقویت پہنچاتی ہے۔" (الکفایہ ص ۱۲۵)

جن حضرات نے کتبِ رجال سے مراجعت محض "خلافت و ملوکیت" کے شوقِ مخالفت میں نہیں کی اور جن کی نگاہ محض واقدی و ابو مخنف کے تراجم ہی تلاش نہیں کرتی رہی، بلکہ جنہوں نے فنِ حدیث و رُواۃ حدیث کا کچھ مزید مطالعہ بھی کیا ہے، وہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ عمران بن حطانؒ جن کا ذکر

لہ عمران بن حطان (ف ۸۹ھ) کا شمار خوارج کے شیوخ و ائمہ میں کیا جاتا ہے۔ اس نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں جو بخاری، ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہیں۔ عمران نے عبدالرحمٰن بن مُلجم قاتلِ علیؓ کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے، اس کے تین اشعار یہ ہیں:

یا ضربۃ من تقی ما اراد بھا الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

متقی (ابن ملجم) کی اس قاتلانہ ضرب کے کیا کہنے ؟ اس حملے کا مقصود صرف عرش کے مالک کی رضامندی حاصل کرنا تھا)

انی لاذکرہ یوما فاحسبہ اوفی البریۃ عند اللہ میزانا

(میں جس دن بھی قاتلِ علیؓ کو یاد کرتا ہوں، تو میں اُسے عنداللہ ساری دنیا سے زیادہ بھرپور اجر کا حقدار سمجھتا ہوں)

اکرم بقوم بطون الطیر اقبرھم لم یخلطوا دینھم بغیاً و عدوانا

(یہ میری خوارج کی قوم کتنی معزز ہے کہ پرندوں کے پیٹ ان کی قبریں بنتی ہیں (یعنی لڑائیوں میں کام آتے ہیں اور جنگلی پرندے ان کی بوٹیاں نوچتے ہیں) اور ان لوگوں نے اپنے دین میں بغی و عدوان کی آمیزش نہیں ہونے دی)۔

یہ اشعار البدایہ، مقتل علی، الکامل للمبرّد وغیرہ میں منقول ہیں۔

اوپر ہوا، یہ وہ صاحب ہیں جنہوں نے ابنِ ملجم قاتل علیؓ کی شان میں ایک باقاعدہ قصیدہ لکھا تھا۔ ہشام الدستوائی قدریہ فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور صحاح ستہ کی ہر کتاب میں اس کی احادیث مروی ہیں۔ قدریہ کا عقیدہ ہے کہ ہر انسان اپنے ارادہ وعمل میں غیر محدود آزادی وقدرت رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص فقط امام سیوطی کی "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" پڑھ لے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ صحیحین کے راویوں میں خارجی، شیعی، ناصبی، مرجئی، قدری خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ محدثین نے بالعموم یہ پابندی لگائی ہے کہ اہلِ بدعت میں سے جو اپنے نظریات کا داعی نہ ہو، اس سے روایت لی جائے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ داعیہ اور غیر داعیہ کی تفریق ایک اضافی شے ہے اور ایسے شخص کا تصور عقلاً محال ہے جو اپنے عقیدہ ومسلک کی کسی درجے میں تبلیغ نہ کرتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ان راویوں کے بارے میں سرے سے یہ بات مذکور و معلوم ہی کیسے ہوتی کہ وہ مبتدعانہ عقائد کے حامل تھے۔ چنانچہ ان میں سے متعدد، مثلاً یہی عمران اپنی خارجیت کا داعی تھا اور اس کا قصیدہ بھی اس کی دعوت ہی کا مظہر تھا۔ مدیرِ "البلاغ" جو عدالت اور بدعت و فسق کے مابین کلی منافات ثابت کرنا چاہتے ہیں، معلوم نہیں اس سوال کا کیا جواب دیں گے کہ ایسے راویوں کی روایات کتبِ صحاح میں کیسے راہ پاگئیں؟ مگر میرے نزدیک اس کا جواب بالکل سیدھا اور واضح ہے جسے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے غلط رجحانات و میلانات کے باوجود صادق الحدیث تھے، ان کی عام روش تقویٰ وتدیّن اور ثقاہت ودیانت پر مبنی تھی۔ اس لیے ان کی روایات کو بلا تامل قبول کیا گیا۔ محدثین رحمہم اللہ نے جتنی محنت، عرق ریزی و دیدہ ریزی کے ساتھ ان لوگوں کے حالات کی چھان بین کی ہے صفحۂ ہستی پر کسی ایک انسانی گروہ نے کسی دوسرے گروہ کے حالات کو اس تفحص وتفتیش کے ساتھ نہیں جانچا۔ جہاں انہیں ذرہ برابر بھی شبہ ہوا کہ راوی کے نظریات وعملیات اس کی روایت فی الحدیث کو متاثر کر سکتے ہیں، اس کو ترک کر دیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف جب یقین یا ظنِ غالب حاصل ہو گیا کہ راوی کاذب یا متساہل نہیں تو بغیر کسی دغدغے کے اس کی روایت کو قبول کیا گیا۔ چنانچہ رجال کی کتابوں

میں بے شمار راوی ہیں جن کے ساتھ درج ہے : ثقة وکان مرجیا۔ صدوق الا انه یری الارجاء۔ لم یتهمه احد وکان ینسب الی الخوارج والقول بالقدر۔ احتج به الجماعة وکان یجالس قوما ینالون من علیؓ ۔ ثقة الا انه یتشیع[1]۔ امام مالکؒ اسماعیل بن ابان کے بارے میں فرماتے ہیں : کان مائلا عن الحق الا انه کان لا یکذب فی الحدیث (وہ راہِ راست سے منحرف ہے مگر حدیث میں جھوٹ نہیں بولتا) امام بخاریؒ نے مروان کی حدیث نقل کی ہے اور ساتھ عروہؓ بن زبیرؓ کا قول درج کیا ہے : ان مروان کان لا یتهم فی الحدیث۔ (مروان روایت حدیث کے معاملے میں موردِ تہمت نہیں ہے)۔

میں سمجھتا ہوں کہ عدالتِ صحابہؓ اور عدالتِ رواۃ پر اتنی بحث کافی وشافی ہے۔ اب میں اس اہم اور نازک بحث کا خاتمہ بالخیر کرتے ہوئے ان دینی عناصر وافراد سے جو مولانا مودودی کی خبر لینے میں منہمک ہیں، ایک آخری اور دردمندانہ التماس کرتا ہوں کہ اس انتہائی نازک وقت میں آپ دوست اور دشمن میں امتیاز برتیں۔ ملحد، بے دین، سرمایہ دار، اشتراکی سرمایہ دار، منکرینِ سنت، منکرینِ نبوت سب کے سب مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو اپنا دشمن نمبر ایک اس لیے نہیں سمجھتے کہ ہم نے خدانخواستہ انبیاء علیہم السلام یا صحابہ کرامؓ کی توہین کی ہے یا ہم اہل سنت کے مسلک سے منحرف ہوگئے ہیں، بلکہ وہ ہمیں اسلام اور خدا ورسول ہی کا خادم سمجھ کر ہمارے خلاف صف آرا ہیں۔ اب بھی اگر ہم نے باہمی خانہ جنگی جاری رکھی اور ہر اختلافی مسئلے میں ایک دوسرے کو توہینِ اسلام کا مرتکب قرار دیا تو اس کا فائدہ اعدائے اسلام ہی کو پہنچے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

---

[1] ثقہ تھا حالانکہ مرجی تھا۔ راستباز تھا مگر ارجاء کا قائل تھا (ارجاء کی ایک قسم یہ ہے کہ اقرارِ ایمان کے بعد گناہ اعمال وکبائر ضرر رساں نہیں ہوتے)۔ اُسے کسی نے متہم نہیں کیا حالانکہ وہ خارجیت وقدریت سے نسبت رکھتا تھا۔ محدثین کے ایک گروہ نے اس کی احادیث سے استناد کیا ہے حالانکہ وہ ناصبیوں سے مصاحبت رکھتا تھا۔ ثقہ تھا مگر شیعہ تھا۔